

میں ہمارے گھر میں وہ کجری جو اوپلے لے کر آتی تھی، تیر کی طرح سیدھی تھی اس کی عمر بھی اتنی ہی ہوگی جتنی اس بھنگن کی تھی۔۔۔ مگر وہ تین برس کے بعد بھی ویسی ہی جوان تھی۔۔۔۔۔ سرو قد۔۔۔۔۔ اوپلوں کا ٹوکرا اس کے سر پر ہوتا تھا۔۔۔ ایک پیڑ سا بنا ہوا مگر مجال ہے کہ اس کی گردن میں بلکی سی جنبش آ جائے یا اس کی کمر میں خفیف سا خم آ جائے۔۔۔۔۔ تین برس وہ ہمارے یہاں آتی رہی۔ اس کے بعد اس کی شادی ہوگئی۔۔۔ اس کے یکے بعد دیگرے تین لڑکے پیدا ہوئے۔۔۔۔۔ اور مجید، میں خدا کی قسم کھا کے کہتا ہوں کہ اس کی کمر ویسی کی ویسی منبوط تھی۔۔۔۔۔ تم میری ماں لو کہ بھنگنیں گویا یوں کا مقابلہ کسی صورت بھی نہیں کر سکتیں“

مجید تملارا رہا تھا اس نے پان کی گلوری پسند نیا سے نکال کر اپنے سکلے میں دہائی چھوٹی ڈبیا سے ماچس کی تیلی کی مدد سے چھوڑا سا قوام نکالا اور منہ میں ڈال کر بڑے نخل سے کہا ”رشید بھائی۔۔۔ تم ٹھیک کہتے ہو۔۔۔ لیکن جس بھنگن کا تصور میرے دماغ میں ہے اور جس کی دراصل میں بات کرنا چاہتا تھا۔۔۔۔۔ اس کی گرد کو امرتسر کی کوئی کجری نہیں پہنچ سکتی۔۔۔۔۔ وہ ایک قیامت تھی۔۔۔ ایک فتنہ تھی۔۔۔ اب تم ایسا کرو کہ میری ساری داستان سن لوں گا کہ تمہیں اس فتنہ قیامت سے متعلق کچھ معلوم ہو سکے۔۔۔ جو بن ڈھلنے کی تم جو بات کرتے ہو اس کو میں اچھی طرح سمجھتا ہوں کجریوں کا قدمبا ہوتا ہے قدرتی طور پر انہیں جلدی ڈھلنا چاہیے، مگر ایسا نہیں ہوتا۔ اس لیے کہ وہ ننگے پاؤں رہتی ہیں اور اپنے سر پر بتول تمہارے پہاڑ سا اوپلوں کا ٹوکرا اٹھائے اٹھائے پھرتی ہیں۔۔۔۔۔ لیکن لعنت

بھیجونی الحال کجریوں پر، کیونکہ مجھے بچنی کی بات کرنا ہے جو ہمارے محلے کی بڑی کراری بھنگن تھی۔۔۔ اس کا قد تو انگشتانہ بھر کا تھا مگر زبان اسکندری گز تھی شادی شدہ تھی، مگر خاوند سے ہر روز لڑتی جھگڑتی رہتی تھی۔ ہمارے کپاؤنڈ میں یہ دونوں میاں بیوی ہر روز صبح سویرے آتے اور ایک بڑے درخت کے ساتھ جھولا لٹکا دیتے اس میں وہ اپنا لڑکا ڈال دیتے تھے مگر مصیبت یہ تھی کہ اس کو جھلانے والا اور کوئی نہیں تھا، چنانچہ دونوں میاں بیوی جھاڑو چھوڑ کر اسے جھولا جھلاتے یا گود میں اٹھائے پھرتے تھے“

رشید نے مجید سے کہا ”یہ جھولے کی بات کہاں سے آگئی۔۔۔۔۔ تم تو ایک کراری بھنگن کی بات کر رہے تھے۔۔۔ جو بقول تمہارے بہت خوبصورت تھی۔“

مجید نے فوراً کہا ”یا تم جھولے کے ساتھ کیوں انک گئے۔۔۔۔۔ میری پوری کہانی تو سن لو۔۔۔۔۔ یہ جھولے کی نہیں بچنی کی ہے۔۔۔ اس بچنی کی جسے میں ساری عمر فراموش نہیں کر سکتا۔۔۔ وہ ایک آنت تھی۔۔۔ صبح اپنے خاوند کے ساتھ آتی تھی۔۔۔ ہاتھ میں لمبی سی جھاڑو لیے۔۔۔ ماتھے پر سینکڑوں تیوریاں۔۔۔ ایسا معلوم ہوتا کہ ابھی جھاڑو آپ کے سر پر دے مارے گی۔۔۔ مگر ایسا موقع کبھی نہیں آیا۔۔۔ میں نے ہزاروں بار اس کو گھورا، لیکن اس نے میرے سر پر جھاڑو نہیں ماری۔۔۔ اس کی تیوریاں اس کے ماتھے پر بدستور قائم رہیں اور وہ حسب سابق اپنا کام کرتی رہی۔ اس کا خاوند جس کا نام معلوم نہیں کیا تھا، اول درجے کا زن مرید تھا۔ اس کا قد اپنی بیوی سے بھی چھوٹا

تھا۔ وہ اس کو کام کے دوران میں ہمیشہ گالیاں دیا کرتی تھی۔۔۔ محلے کے سب لوگ سنتے تھے اور آپس میں چہ میگوئیاں کرتے تھے۔“

رشید اتنی لمبی داستان سنا کر بھنا گیا ”تم اصل بات کی طرف آؤ۔۔۔۔۔ یہ کیا ہٹہ مے گونیاں بک رہے ہو۔۔۔۔۔ بچنی نام بڑا اچھا ہے، ورنہ خدا کی قسم، میں تمہاری یہ خرافات کبھی نہ سنتا۔۔۔۔۔ معلوم نہیں، یہ تمہاری جوڑی ہوئی کہانی ہے۔۔۔۔۔ بہر حال تمہیں چند منٹ دیتا ہوں۔۔۔۔۔ سناؤ“

مجید تاؤ میں آگیا ”الو کے پٹھے۔۔۔۔۔ تم نے صرف بچنی کا نام سنا ہے، کبھی تم نے اسے دیکھا ہوتا تو دل نکال کر اس کے گولہ لے میں ڈال دیا ہوتا۔۔۔۔۔ میں تم سے اگر ایک واقعہ بیان کر رہا ہوں تو اس میں نمک مرچ لگانے کی مجھے اجازت ہونی چاہیے۔۔۔۔۔ تم اگر اکتا گئے ہو تو جہنم میں جاؤ!“

رشید کو اور کوئی کام نہیں تھا۔۔۔۔۔ اس کے پاس اتنی رقم بھی نہیں تھی کہ کسی سینما میں چلا جاتا اس لیے مناسب سمجھا کہ مجید کی داستان سن لے ”جہنم میں جانے کا سوال نہیں۔۔۔۔۔ تم ذرا اختصار سے کام لو۔۔۔۔۔ اصل میں مجھے بچنی سے دلچسپی پیدا ہو گئی ہے۔“

مجید غصے میں آگیا ”تمہاری دلچسپی کی ایسی کی تھی۔۔۔۔۔ سالے تم کون ہوتے ہو، اس میں دلچسپی لینے والے۔۔۔۔۔ اس میں دلچسپی لینے والے تم ایسے ہزاروں تھے، مگر وہ کسی کو خاطر میں نہیں لاتے تھے۔۔۔۔۔ میں تم سے کروڑ مرتبہ زیادہ خوبصورت ہوں، لیکن میں اس کی نگہ التفات کا ہر وقت منتظر رہتا تھا۔۔۔۔۔ وہ بڑی میٹلی تھی۔۔۔۔۔ میرے دوست رشید خدا کی قسم، اس جیسی لڑکی،

میں نے اپنی زندگی میں نہیں دیکھی نام اس کا بچنی تھا۔۔۔۔۔ یعنی بچن سے تعلق رکھتا تھا۔ مگر وہ تو پھا پھا کلکتی تھی۔۔۔۔۔ میں نے بڑی کوشش کی کہ اس کو اپنے قبضے میں لے آؤں، پرنا کام رہا وہ پٹھے پر ہاتھ ہی نہیں دھرنے دیتی تھی۔“

یہ سن کر رشید بولا ”تم یا رہیشہ ایسے معاملوں میں کورے رہے ہو“
مجید کے گہری چوٹ لگی ”کیو اس کرتے ہو۔۔۔۔۔ میں نے ایک روز اسے پکڑ لیا۔۔۔۔۔ میرے گھر کے باہر وہ جھاڑو دے رہی تھی کہ میں نے اس کا بازو پکڑ لیا اور اپنے ساتھ چمٹا لیا۔“

”پھر کیا ہوا؟“ رشید نے انرا مذاق سگریٹ ساگایا اور ماچس کی تیلی بجھا کر اس کے کئی ٹکڑے کر کے ایش ٹرے میں ڈال دیئے۔

مجید کو ایسا معلوم ہوا، کہ رشید نے اس کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے ہیں، بہت جڑ بڑ ہوا لیکن آدوی سچا تھا اس لیے جھوٹ نہ بول سکا ”یا رہیشہ! تم مذاق اڑاتے ہو۔۔۔۔۔ لیکن واقعہ یہ ہے کہ جو کچھ اس روز ہوا، اس کا مذاق اڑانا ہی چاہیے۔۔۔۔۔ میں نے اسے اپنے ساتھ بھینچ لیا۔۔۔۔۔ لیکن اس حرامزادی نے کھینچ کے اپنی جھاڑو میرے منہ پر دے ماری۔ میں شرم کے مارے اندر بھاگ گیا۔۔۔۔۔ لیکن فوراً باہر نکلا۔۔۔۔۔ دیکھا کہ وہ میرے مکان کے باہر جھاڑو دے رہی ہے۔۔۔۔۔ میں نے اسے پھر پکڑا۔۔۔۔۔ اس نے کوئی مزاحمت نہ کی۔۔۔۔۔ میں نے سوچا۔۔۔۔۔“

رشید نے مجید کا فقرہ مکمل کر دیا ”کہ معاملہ درست ہو گیا ہے“
مجید بوکھلا گیا ”خاک درست ہوا۔۔۔۔۔ وہ میری گرفت سے نکل کر سیدھی

میری بیوی کے پاس چلی گئی۔۔۔۔۔ لیکن اس سے کوئی شکایت نہ کی۔۔۔۔۔ میں ڈر کے مارے دہکا ہوا تھا۔۔۔۔۔ میں نے صرف یہ سنا، اور میری جان کا بوجھ ہلکا ہوا۔۔۔۔۔ ”بی بی جی، آج بھی پانی نہیں آیا۔۔۔۔۔ یہ ان لوگوں کو جو آپ سے ہر مہینے دس روپے وصول کرتے ہیں، کیا ہو گیا ہے۔۔۔۔۔ کیوں وہ اتنا خیال نہیں کرتے کہ آپ کو ہر روز ماشکی کو دس مشکوں کے چار آنے فی مشک کے حساب سے دو روپے اٹھ آنے دینا پڑیں۔۔۔۔۔ میں نے خدا کا لاکھ لاکھ شکر ادا کیا کہ اس نے میری عزت و آبرو رکھ لی۔۔۔۔۔ لیکن میں نے بعد میں سوچا کہ میری عزت و آبرو رکھنے والی اصل میں بچہ ہی ہے۔۔۔۔۔ لیکن جب زیادہ سوچا تو احساس ہوا کہ ایسا سوچنا کفر ہے۔

رشید قریب قریب ننگ آچکا تھا اس نے اپنے دوست کی خاطر آواز دبا کر کہا ”کافر کے بچے۔۔۔۔۔ بات تو کر یہ کہ تیرا اس بچہ کی بچی سے کیا ہوا؟۔۔۔۔۔ کیا تم نے اسے پالیا؟“

مجید نے رشید کی پھد نیا سے ایک گلوری لی اور کہا ”دیکھو رشید۔۔۔۔۔ تم بچہ کو جانتے نہیں۔۔۔۔۔ افسوس ہے کہ میں افسانہ لگا رہیں ورنہ میں اس کا کردار بہت اچھی طرح۔۔۔۔۔ جیتا جاگتا پیش کر سکتا۔۔۔۔۔ وہ معلوم نہیں ہے، کیا تھی۔۔۔۔۔ عمر اس کی زیادہ سے زیادہ۔۔۔۔۔ یہ سمجھو کہ سترہ اٹھارہ برس کے قریب ہوگی۔۔۔۔۔ قد اس کا ساڑھے چار فٹ ہوگا۔۔۔۔۔ چھاتی ایسی تھی جیسے لوہے کی بنی ہے حالانکہ ایک بچے کی ماں تھی“

رشید بہت ننگ آگیا ”ایک بچے کی ماں کے بچے۔۔۔۔۔ تو اپنی داستان کے

انجام کو پہنچ۔۔۔ مجھے ایک بہت ضروری کام سے جانا ہے۔۔۔ ساڑھے سات بج چکے ہیں، لیکن تمہاری داستان ہی ختم ہونے میں نہیں آتی“

مجید سنجیدہ رہا ”رشد اے!۔۔۔۔۔ معاملہ بڑا نازک ہے“

”کس کا؟۔۔۔ تمہارا یا میرا؟“

”میں نہیں کہہ سکتا، لیکن جس وقت کی میں بات کر رہا ہوں، اس وقت معاملہ میرا تو بہت نازک تھا۔۔۔۔۔ سمجھ میں نہیں آتا تھا، کیا کروں، کیا نہ کروں۔۔۔۔۔ باپ تم یہ خیال کرو کہ میں ہزاروں کا مالک تھا۔۔۔۔۔ تم جانتے ہی ہو کہ ماں باپ مر کھپ چکے تھے۔۔۔۔۔ ساری جائیداد کا میں وارث تھا جہاں چاہتا تھا۔۔۔۔۔ اس روز جب میں نے بچنی کو اپنے سینے کے ساتھ بھینچا اور وہ میری گرفت سے یوں الگ ہوئی، جیسے میرا کام تمام کر دے گی لیکن میری بیوی سے اس نے اس سلسلے کا ذکر تک نہ کیا تو مجھے امید ہو گئی کہ چند ایسے معاملوں کے بعد میں کامیاب ہو جاؤں گا۔“

رشد نے اس سے پوچھا ”تجھے کامیابی ہوئی“

”خاک۔۔۔۔۔ تم اسے جانتے ہی نہیں ہو۔۔۔۔۔ بڑی تیز خو لڑکی ہے۔۔۔۔۔ اپنے خاوند کو کچھ نہیں سمجھتی۔۔۔۔۔ لیکن ایک عجیب بات ہے کہ میں نے اس سے اتنی چھیڑ چھاڑ کی، لیکن اس نے کسی سے بات تک نہ کی، ورنہ اگر وہ چاہتی تو میرا گھر نکالا کر سکتی تھی“

رشد مسکرایا ”میں تمہاری بچنی کو جانتا ہوں“

مجید نے بڑی حیرت سے پوچھا ”تم کیسے جانتے ہو اس کو؟“

”جس طرح تم جانتے ہو۔۔۔۔۔ کیا تم نے ٹھیکالے رکھا ہے کہ وہ تمہارے ہی محلے میں کام کیا کرے۔۔۔ میں اس کو بہت اچھی طرح جانتا ہوں“
 مجید کو یقین نہ آیا ”کو اس کرتے ہو۔۔۔ اس کی عمر ہی کتنی ہے کہ تم اسے جانو۔۔۔۔۔ دو برس سے کچھ مہینے اوپر ہو گئے ہیں کہ وہ ہمارے محلے میں روزانہ آتی ہے اس کے لڑکے کی عمر بھی دو سال کے قریب ہوگی۔۔۔ یعنی جب وہ ہمارے ہاں ملازم ہوئی تو اس کے کوئی بچہ نہیں تھا۔۔۔ لیکن دو تین مہینے کے بعد اس کی گود میں ایک لڑکا تھا۔“

رشید پھر مسکرایا ”تمہارا؟“
 ”میرا؟“ مجید گھبرا گیا، لیکن فوراً سنبھل کر اس نے مذاق کا جواب مذاق میں دیا ”میرا ہوتا تو کیا کہنے تھے۔۔۔ کم از کم میں یہ تو کہنے کے قابل ہو جاتا کہ میں اپنے مقصد میں کامیاب ہو گیا ہوں۔“
 رشید کی مسکراہٹ اس کے ہونٹوں پر ایک عجیب رنگ اختیار کر گئی ”تمہیں اپنی بچنی کے شوہر کا نام معلوم نہیں؟“
 ”نہیں!“

”میں بتاتا ہوں تمہیں۔۔۔۔۔ اس کے شوہر کا نام رشید ہے!“
 مجید بوکھلا گیا ”رشید؟۔۔۔ کیا اس کا نام رشید ہے؟“
 رشید نے بڑے وثوق اور بڑی سنجیدگی سے جواب دیا ”ہاں اس کا نام رشید ہے۔۔۔۔۔ اصل میں وہی اس کا شوہر ہے“
 ”وہ جو اس کے ساتھ ہمارے محلے میں جھاڑو دیتا ہے اور اپنے بچے کو جھولا

جھلاتا ہے، ”مجید کی بوکھلاہٹ اسی طرح قائم تھی

رشید کی سنجیدگی میں کچھ اضافہ ہو گیا ”وہ الوکا پٹھا اپنے بچے کو جھولا نہیں جھلاتا“

”تو کسے جھلاتا ہے۔۔۔ کیا وہ اس رشید کا بچہ نہیں؟“

”نہیں!“

”تو کس کا بچہ ہے؟“

”ایک بہت غریب اور نادار آدمی کا۔۔۔ جو خوبصورت بھی نہیں۔۔۔ تم

سے ہزاروں درجے نیچے ہے“

”کون ہے وہ؟“

”پوچھ کے کیا کرو گے؟“

”کروں گا کیا۔۔۔ بس ایسے ہی جاننا چاہتا ہوں“

رشید نے ایک سنگریٹ سلگایا اور بڑے اطمینان سے کہا ”جاننا چاہتے ہو تو

جان لو۔۔۔ وہ رشید میں ہوں۔۔۔ تمہاری بھین سے میری آشنائی بچپن کی

ہے۔۔۔ وہ گیارہ برس کی تھی۔۔۔ میں تیرہ برس کا۔۔۔ جب سے میرا اس کا

معاملہ چلا آ رہا ہے۔۔۔ وہ لڑکا جو تم اس کی گود میں دیکھتے ہو اور جسے اس کا الوکا پٹھا

شوہر ہر روز جھولا جھلاتا ہے، اس خاکسار کی اولاد ہے۔۔۔ شکر ہے خداوند کریم کا

کہ لڑکی نہ ہوئی، ورنہ میں تو اسے دوسرے ہی رہ زماڑا لیتا۔۔۔۔۔“

یہ کہہ کر رشید فوراً اٹھا اور چلا گیا۔۔۔۔۔ مجید سوچتا رہ گیا کہ خداوند کریم نے

اس پر کون سا کرم کیا تھا جو وہ اس کا شکر گزار تھا۔۔۔۔۔!

☆☆☆☆☆